(غلام گردش)

اقتصادی انتشار

ملکوں کو دھیرے دھیرے کیسے ختم کیا جاتا ہے یا انہیں بے معنی بنا دیا جاتا ہے۔صرف کتابوں اور خبروں کی حد تک دیکھ اور سن پایا تھا۔مگر اپنے ہی ملک کو ہر طور پر ضعف میں جاتے ہوئے خود دیکھ رہا ہوں۔ضعف کا لفظ احتیاطاً استعمال کیا ہے۔اسلیے کہ سخت لفظ لکھتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے۔مگر حقیقت سے گریز کرنا دانش مندی نہیں۔ویسے دانش، دلیل اور حقیقت پسندی جیسے الفاظ، عرصہ ہوا، ہمارے خطہ سے حرفِ غلط کی طرح مٹائے جائے چکے ہیں۔انکی جگہ اب کس چیز کا راج ہے۔سب جانتے ہیں۔عرض نہیں کرنا چاہتا۔مگر جو ہو رہا ہے، اسے فریبِ نظر نہیں کہا جا سکتا۔

اقتصادی طور پر ملک انتہائی کسمپرسی کی حالت میں ہے۔آئی۔سی۔یو میں آکسیجن پر سانسیں لے رہا ہے۔ملکی ذخائر اس وقت صفر سے نیچے ہیں۔جو تھوڑا بہت سرمایہ نظر آ رہا ہے، صرف اور صرف غیر ملکی قرضوں کی بدولت ہے۔یعنی اگر جزوی قرضے یا سود واپس کر دیے جائیں تو ذخائر منفی میں چلے جاتے ہیں۔یعنی خزانہ محض خالی نہیں ہوتا بلکہ کسی بھی طریقے سے کسی بھی ادائیگی کے قابل نہیں رہتا۔ہوسکتا ہے کہ چند اقتصادی ماہرین کی رائے مختلف ہو۔مگر عمومی طور پر نظر یہی کچھ آ رہا ہے کہ ملکی خزانہ ختم ہونے کے بعد دیوالیہ ہونے کے قریب ہے۔ماہرِ معاشیات نہیں۔مگر عام سے حساب کتاب سے کچھ نتائج سامنے آ جاتے ہیں۔مطلب یہ کہ اگلے چند ماہ اپنے اوپر بلا کی طرح مسلط غیر ملکی قرضے واپس کرنے کے قابل نہیں ہیں۔بین لاقوامی اداروں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کچھ وقت حاصل کرنے کی کوشش کی جائیگی۔کامیاب ہوتے ہیں کہ نہیں۔اسکا جواب کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔معاشی طور پر کمزور ملک کسی بھی طرح باوقار نہیں ہوسکتا۔ہمارے ساتھ بھی یہی ہوا ہے اور مزید ہوگا۔جذباتیت، نعرے بازی اور گردہی سوچ نے ہمیں وہاں پہنچا دیا ہے، جو انکا منطقی انجام تھا۔واپسی کا اب کوئی راستہ نہیں۔وزیراعظم کی طرف سے آئی ہوئی "ایمنسٹی سکیم" کس حد تک کامیاب یا ناکام ہوگی، اسکا جواب آنے والا وقت ہی دے سکے گا۔ڈیڑھ ماہ میں اسکے ثمرات کس قدر میٹھے ہونگے، ابھی قطعی طور پر کچھ کہنا قبل اَز وقت ہوگا۔مگر ایک بات بے حد اہم ہے۔اگر ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں تو اپنے حکومتی اخراجات کم کیوں نہیں کر رہے۔تمام اہم سیاسی شخصیات حکومتی جہازوں پر سفر کیوں کر رہی ہیں۔ان جہازوں کیلیئے "پیٹرول" باہر سے آتا ہے۔یعنی اس پر ڈالر خرچ ہوتے ہیں۔کیوں ہمارے حکومتی خدا، ہوائی جہازوں کو استعمال کرنا نہیں چھوڑتے۔اگر کہیں سرکاری طور پر جانا ہو، تو کمرشل فلائٹ کیوں استعمال نہیں کرتے۔جہازوں کو رہنے دیجئے۔یہ قیمتی ترین کاریں اور سرکاری جیپیوں کا استعمال کیوں بند نہیں کرتے۔کیا وزیراعظم یہ اعلان نہیں کر سکتے کہ تمام سرکاری اور سیاسی عمائدین پاکستان میں بنی ہوئی گاڑیاں استعمال کرینگے۔مگر کوئی بھی مرسیڈیز، بی ایم ڈبلیو اور آوڈی سے کم کار میں سفر کرنا توہین سمجھتا ہے۔اگر صرف آج یہ فیصلہ ہو جائے کہ صدر، وزیراعظم، وزراء، وزراء اعلیٰ اور سرکاری عمائدین مقامی گاڑیوں میں سفر کرینگے تو کم از کم ایک دن میں لاکھوں ڈالر کی بچت ہوگی۔مگر نہیں۔ہم قرض لینے میں ذلت محسوس نہیں کرتے۔دیوانوں کی طرح مہنگی ترین گاڑیاں اور ہوائی جہاز استعمال کرنا اپنا قانونی حق سمجھتے ہیں۔قرض دینے والے ادارے اور ملک جب ہمارے وفود کو دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں۔بیرونی ممالک

میں ہمارے عمائدین کئی ہزار ڈالر یومیہ کرائے والے ہوٹلوں میں قیام کرتے ہیں۔ وفد کے اراکین کا لباس، قرض دینے والے اداروں کے عمائدین سے بیش قیمت ہوتا ہے۔ کئی بار، غیر ملکی ماہرین سے بات ہوئی۔ وہ ہماری سرکاری عیاشیاں دیکھ کر گھبرا بلکہ شرما جاتے ہیں۔ ایک اور اہم ترین نکتہ، مجھے ایک بین الاقوامی ادارے کے مرکزی افسر نے بتایا کہ پاکستانی واحد لوگ ہیں جو انکی پیش کردہ شرائط پر کسی قسم کا غور نہیں کرتے۔ بحث نہیں کرتے کہ شرح سود بہت زیادہ ہے۔ کم کی جائے۔ ہر قیمت پر قرضہ حاصل کرتے ہیں اور خوشی خوشی واپس چلے جاتے ہیں۔ اسکے برعکس دیگر ممالک کے افسر اور ماہرین، سادہ طریقے سے رہتے ہیں۔ ٹھوک بجا کر اپنے ملک پر سود کے بوجھ کو کم سے کم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور کئی بار قرض دینے والے اداروں کی شرائط سے مکمل انکار کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔ اداروں کو پھر انکی شرائط مجبوراً ماننا پڑتی ہیں۔ مگر پاکستانی وفود بادشاہوں کی طرح رہ کر، فقیروں کی مانند، کڑی شرائط پر قرض لیتے ہیں۔ پھر ملکی اخباروں میں اپنے تعریفی بیانات اور اشتہارات چھپواتے ہیں۔ ایسے، جیسے انہوں نے کوئی عظیم کارنامہ انجام دیا ہو۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ان لوگوں سے پوچھا جائے کہ تم کون ہوتے ہو، ہمارے ائیر پورٹ، ریلوے سٹیشن، موٹروے، شاہرائیں اور ریڈیو سٹیشن تک گروی رکھنے والے۔ پر جھوٹ اور پروپیگنڈے کے زور پر اس قرضے کی آمد پر ایسے منصوبے ترتیب دیے جاتے ہیں، جن سے ظاہری عوامی فائدہ ہو اور بڑے آرام سے کمیشن کا پیسہ دنیا کے کسی محفوظ ٹھکانے پر چلا جائے۔ مگر اب صورتحال اس قدر خراب ہے کہ شائد کوئی نیا موقع ہاتھ نہ آئے۔ مگر دو تین دہائیوں سے کمائے ہوئے پیسے ہی کافی ہیں۔ شائد سات پشتوں کیلئے بھی۔ وہ الگ بات ہے کہ حرام کی کمائی، آنے والے دنوں میں اولاد کو بھی برباد کرتی ہے اور تھوڑے سے عرصے بعد غائب ہو جاتی ہے۔ اس سے کبھی بھی اگلی نسلوں کو سکھ اور آسائش نہیں ملتی۔ بلکہ بچوں میں فساد، مقدمہ بازی اور لڑائی پیدا ہوتی ہے۔ دیکھنے میں تو یہی آیا ہے کہ حرام کی دولت ختم بھی تیزی سے ہوتی ہے۔ بات صرف شعور اور احساس کی ہے۔

یہ سب بے ترتیبی ایک طرف۔ مگر مجھے کوئی مثبت اشارے نظر نہیں آ رہے۔ اگر ہم ایسے ہی خرچ کرتے رہے تو ایک سے ڈیڑھ ماہ میں دیوالیہ ہو سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے بغیر سوچے سمجھے روپے کو جلدی میں ڈی ویلیو کیا، انکے مطابق یہ معمول کی کاروائی تھی۔ مگر صرف ایک دن میں روپیہ کو اتنا بے قدر کر دیا گیا کہ ملکی معیشت شدید دباؤ میں آ گئی۔ گزشتہ چالیس دنوں میں مہنگائی کا ایک نیا سیلاب آیا ہے۔ ہر چیز مہنگی ہو چکی ہے۔ روم جل رہا ہے مگر رنگ برنگے نیرو، قیمتی کپڑوں میں ملبوس بانسری نہیں بلکہ سنکھ بجا رہے ہیں۔ آنے والا وقت ہماری توقع سے زیادہ مشکل ہو سکتا ہے۔ پر یہاں ایک سنجیدہ سوال ذہن میں آتا ہے۔ ملک میں کرپشن کے خلاف قومی اداروں کی مہم سے درحقیقت کیا ہو رہا ہے۔ عملاً کچھ بھی نہیں۔ ایک بڑے آدمی یا ایک چھوٹے سرکاری بونے کو محض گرفتار کرنے سے ملک کو کیا فائدہ ہوتا ہے۔ اسکا کوئی جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس حق میں ہوں کہ انہیں سزا بھی نہیں ہونی چاہیے۔ صرف ان سے لوٹی ہوئی دولت واپس لیکر قومی خزانے میں جمع کروا دینی چاہیے۔ سعودی عرب کا حالیہ کامیاب ماڈل ہماری رہنمائی کر سکتا ہے۔ کیا ضرورت ہے کہ مقدمات چلائے جائیں۔ اس مقدمہ بازی سے تو کرپٹ لوگ ایک جعلی اور منفی بیانیہ بیچنے میں کامیاب ہو رہے ہیں کہ انکے خلاف انتقامی کاروائی ہو رہی ہے۔ بدترین حالات میں، عام سے قوانین صورتحال کو بہتری کی طرف نہیں لے جا سکتے۔ چاہیے تو یہ کہ پورے ملک سے سوا ہم ترین

لوگوں کو پابند سلاسل کیا جائے۔انکے سامنے کرپشن کے ٹھوس ثبوت رکھے جائیں اور پھر زبردستی پیسے واپس لیے جائیں۔قانون کی حکمرانی،اس نازک وقت میں ہمارے لیے کوئی مثبت نتیجہ سامنے نہیں لاسکتی۔بتایئے،کیا اربوں ڈالر،کسی قانون کے مطابق ملک سے باہر بھجوائے گئے ہیں۔ہرگز نہیں۔بالکل نہیں۔اس وقت صرف اور صرف بے رحم عدل ہونا چاہیے۔سو اہم ترین لوگوں میں سوسائٹی کے ہر طبقے کے لوگ ہونے چاہیے۔سیاستدان،بزنس مین،سرکاری بابو،ریاستی اداروں میں لوٹ مار کرنے والے فرشتے بلکہ ہر طرح کے ٹھگ،اس فہرست میں شامل کر لینے چاہیے۔یہ تو ایک دن کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔چند ہی دنوں میں غیر ملکی اور ناجائز ملکی دولت دوڑتی ہوئی ملکی خزانے میں جمع ہو جائیگی۔قرض لینے کی نوبت ہی نہیں آئیگی۔سعودی عرب کے ولی عہد نے اربوں ڈالر واپس لیکر ایک مثال قائم کی ہے۔ہم سعودی عرب کے ہر طریقہ سے بغل بچے ہیں۔تو اس اچھی مثال کو کیوں نہیں اپنا سکتے۔یہ موجودہ پکڑ دھکڑ اور بے جان سی مقدمہ بازی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔تاریخ کا سبق یہی ہے کہ جن کو کچھ نہ کہو،جس طوطے میں اسکی جان ہے،اسکی گردن مڑوڑ دو۔ان تمام لٹیروں اور چوروں کی جان انکی دولت میں ہے۔ان سے ناجائز دولت واپس لے لو۔یہ جن،چوہے بنکر گلیوں میں فریاد کرتے پھریں گے۔لوگ انکے سائے سے بھی ڈریں گے۔

ملک جس حال پر پہنچ چکا ہے اس میں نارمل ضابطے سے کچھ بھی مفید کام نہیں ہوسکتا۔احتساب کریں یا نہ کریں۔گردن پکڑیں یا نہ پکڑیں۔بے معنی سا لگتا ہے۔یہ طرزِ عمل کہ کچھ کرنے کی جسارت بھی کی جائے اور پھر آدھے راستے میں خود بخود رک جایا جائے۔اس سے غیر یقینی بڑھ رہی ہے۔اداروں کے مجموعی کردار پر شک بھی شروع ہو چکا ہے۔ایسے نظر آتا ہے کہ دراصل مقصد بے لاگ احتساب یا ملک کو ٹھیک کرنا نہیں۔اگر یہ تاثر مزید مضبوط ہو گیا تو سب کچھ داؤ پر لگ جائیگا۔لوگوں کا اس ملک کے بارے میں یہ کہنا،کہ یہاں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔یہاں کبھی انصاف ہوا ہی نہیں ہے۔یہاں امیر اور طاقت ور لوگ کسی نہ کسی طریقے سے بچتے آئے ہیں۔انکے ذہن کے مطابق،اب بھی کچھ نہیں ہوگا۔ایک دو چہرے بدلیں گے اور پھر کام،روایتی طریقے سے چلنا شروع ہو جائیگا۔یہ زاویہ طاقت پکڑ رہا ہے۔درحقیقت جس اقتصادی انتشار کی زد میں ملک آ چکا ہے،ملک کا کوئی بھی ادارہ اسکو بہتری کی طرف لانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔یہ سب کچھ بے رحم فیصلوں سے ہی ممکن ہے جسکی خیر سے کوئی توقع نہیں۔گمان ہے کہ سب کچھ سکون سے پرانے طریقے پر چلتا رہیگا۔مگر اقتصادی انتشار،شائد ہم سب کو روند ڈالے۔یہ قطعاً رکنے والا نہیں!

راؤ منظر حیات